قسط نمبر ۴

اسرائیل

میاں انوار اللہ

یہودی ریاست کا قیام اور عزائم تاریخ کے آئینے میں:

بنی اسرائیل 1300 سال قبل مسیح میں بیت المقدس اور فلسطین میں آئے۔ 200 سال کی لگاتار جدوجہد کے بعد اس پر قابض ہو گئے۔

بائبل کی تصریحات کے مطابق بنی اسرائیل نے فلسطینیوں کا قتل عام کر کے اس ارض مقدس پر ایسے بہیمانہ انداز سے قبضہ جمالیا، جس طرح انگریزوں نے ریڈ انڈین کا قتل عام کر کے امریکہ پر قبضہ کیا تھا۔ فلسطین بنی اسرائیل کا وطن نہیں ہے۔

اس کے 500 سال بعد یعنی 800 قبل مسیح میں اسیریا نے شمالی فلسطین پر قبضہ کر کے بنی اسرائیل کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ ان کی جگہ دوسری اقوام کو بسایا جن کی اکثریت عربی النسل تھی۔

پھر 200 سال بعد (600 قبل مسیح) بخت نصر نے جنوبی فلسطین پر قبضہ کر کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، اور ہیکل سلیمانی کو زمین بوس کر دیا۔

عرصہ دراز بعد ایرانیوں نے اپنے دور حکومت میں یہودیوں کو جنوبی فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ یہودیوں نے پھر سے ہیکل سلیمانی تعمیر کی، لیکن یہودیوں کا ارض فلسطین میں یہ قیام بھی 300 تا 400 سال رہا۔

بالآخر انہیں بغاوت کی پاداش میں 70ء میں پھر یہاں سے جلاوطن کر دیا گیا، اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا گیا۔

135ء میں رومیوں نے بغاوت کو کچل کر تمام فلسطین کو یہودیوں سے پاک کر دیا۔

اسلام کی آمد سے پہلے پورا فلسطین عربی النسل لوگوں کا وطن تھا۔ اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ:

(1) یہودی اصلی فلسطینیوں کو قتل عام کے ذریعے ختم کر کے غاصبانہ طور پر فلسطین پر قابض ہوئے۔

(2) یہودی شمالی فلسطین میں صرف 400 یا 500 سال آباد رہے۔

(3) جنوبی فلسطین میں بھی ان کے قبضہ کی مدت 800 یا 900 سال ہے۔

(4) عرب شمالی فلسطین میں 2,500 سال سے، اور جنوبی فلسطین میں 2,000 سال سے آباد چلے آ رہے ہیں۔

لہذا یہودیوں کا یہ دعوی کہ فلسطین ان کی میراث ہے، بالکل باطل ہے۔ اور پھر اس باطل دعوی سے یہ ''حق'' خود گھڑ لینا کہ وہ ہر حربہ استعمال کر کے بزورِ قوت اپنی میراث حاصل کریں گے! کتنا بودا اور لغو نظریہ ہے۔

2,000 سال سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار بار یہ دعا مانگتے رہے کہ ایک دفعہ بیت المقدس ان کے ہاتھ آجائے، وہ ہیکل سلیمانی کو نئے سرے سے تعمیر کر سکیں۔ ہر یہودی گھرانے میں، ہر مذہبی تقریب پر یہ ڈرامہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے، فلسطین میں کیسے آباد ہوئے، یہاں سے ہم کیسے نکالے گئے۔ اس طرح ہر یہودی بچے کی ذہن سازی کی گئی ہے کہ:

''فلسطین ہمارا ہے، اور ہمارا نصب العین یہ ہے کہ فلسطین پر قبضہ کر کے پھر سے ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا ہے''۔

بارہویں صدی کے مشہور یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اپنی کتاب ''قانون یہود'' میں صاف لکھا ہے کہ:

''ہر یہودی کا فرض ہے' کہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر سے تعمیر کرے''۔

فری میسن یہودی تحریک کا مرکزی نظریہ بھی یہی ہے۔ اسی سے مسجد اقصی میں آتش زدگی کا پس منظر سمجھ لینا چاہئے۔

یہودیوں کی طوطا چشمی:

فلسطین کی تاریخ کے مطابق ہیکل سلیمانی 70ء میں مسمار کر دی گئی تھی۔ عہد فاروقی میں فتح بیت المقدس کے وقت یہاں یہودیوں کی کوئی عبادت گاہ نہیں تھی۔ لہذا مسجد اقصی اور قبۂ صخرہ کے بارے میں کوئی یہودی یہ الزام مسلمانوں پر نہیں لگا سکتا، کہ کسی یہودی عبادت گاہ کو ڈھا کر مسلمانوں نے مسجد تعمیر کی ہے۔

135ء میں رومیوں نے ارض فلسطین کو یہودیوں سے خالی کرا لیا تھا، اور بیت المقدس میں یہودیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ پچھلی 13 تا 14 صدیوں میں یہودیوں کو اگر کہیں امان نصیب ہوئی' تو وہ اسلامی ممالک ہی تھے۔ یہودی مؤرخین خود اعتراف کرتے ہیں کہ یہود کی تاریخ کا تابناک ماضی مسلمانوں کی رعایا کے طور پر اندلس میں تھا۔

''دیوار گریہ'' جسے یہودی اپنی سب سے بڑی مقدس یادگار سمجھتے ہیں، مسلمانوں ہی کی عنایت سے انہیں ملی تھی۔ یہ سولھویں صدی میں سلطان سلیم عثمانی کی یہودیوں پر نوازش تھی۔ لیکن یہود کی سرشت میں احسان فراموشی اور طوطا چشمی کے سوا کچھ نہیں۔ اسی لیے نہتے مسلم فلسطینیوں پر ٹینکوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے دہشت گردانہ حملے کر کے خونِ مسلم سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

یہودیوں کی منصوبہ بندی:

یہودیوں نے با قاعدہ منصوبہ بندی کر کے 1880ء میں فلسطین میں مہاجرت کا سلسلہ شروع کیا، اور غریب فلسطینیوں کو مجبور کر کے ارض مقدس کی زمینیں ہتھیانا شروع کیں۔ اس کام میں صہیونی تحریک اور اس کے بانی نے اہم رول ادا کیا۔

صہیونی تحریک اور تھیوڈور ہرتزل:

ہرتزل 2 مئی 1860ء میں ہنگری کے شہر بوڈاپسٹ میں پیدا ہوا۔ صہیونی اسے اپنا باوا آدم مانتے ہیں۔ 1897ء میں ہرتزل نے صہیونی تحریک بنا کر مشرقی یورپ سے یہودی خاندانوں کو فلسطین میں بسانا شروع کر دیا۔ یہودی سرمایہ داروں نے ہرتزل کے لیے اپنی تجوریاں کھول دیں۔ 1901ء میں ہرتزل نے اتنی طاقت جمع کر لی، کہ خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید کو ترکی میں با قاعدہ پیغام بھجوایا:

"یہودی سلطنت اسلامیہ کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں، بشرطیکہ آپ فلسطین کو یہودی وطن بنانے کی اجازت دے دیں" سلطان عبدالحمیدؒ نے جواب دیا: **"جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک خلافت عثمانیہ کی سلطنت موجود ہے، اس وقت تک تم اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں تمہاری تمام دولت پر تھوکتا ہوں"**۔

پیغام لے جانے والے یہودی کا نام (حاخام قرہ صوآفندی) تھا، یہ اندلس سے نکالے جانے کے بعد ترکی میں آ کر آباد ہوا تھا۔ دیکھئے یہودی ذہن کی سرشت! جہاں امان ملی، وہیں شر انگیزی شروع کر دی۔ رعایا ہو کر یہ بد باطن یہودی خلیفہ وقت کو غداری پر آمادہ کر رہا ہے۔ سلطان عبدالحمید کا جواب سن کر اس نے جاتے ہوئے دھمکی دی: **"تم اِس کا بہت برا نتیجہ دیکھو گے"**۔ چنانچہ ہرتزل اور صہیونی تحریک نے ہر حربہ استعمال کر کے خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔ اس مرتبہ پھر "ابن سبا" کا کردار دُہرایا گیا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی قوت کو ختم کرنے میں فری میسن اور دونمہ پیش پیش تھے۔ ترک قوم پرستی کو ابھار کر اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا گیا، فوج اور سول میں خوب کھیل کھیلے گئے۔ اس کے نتیجے میں صرف 7 سال کے بعد 1908ء میں جو تین آدمی سلطان کی معزولی کا پروانہ لے کر سلطان کے دربار میں گئے، ان میں دو ترک تھے، جبکہ تیسرا بد باطن حاخام قرہ صوآفندی یہودی خود تھا۔ مسلمانوں کی بے غیرتی دیکھیے کہ اپنے سلطان کی معزولی کا پروانہ بھی بد باطن شر انگیز یہودی کے ہاتھ ہی بھیج رہے ہیں!! سلطان عبدالحمید کے دل پر کیا گزری ہوگی کہ مسلم قوم یہود کی آلہ کار ثابت ہوئی!!

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

ترکی اور عرب میں خونین قوم پرست تصادم:

عربوں میں عرب قوم پرستی کا فتنہ جنم دینے اور پروان چڑھانے والے عرب عیسائی تھے، ان کا مرکز بیروت تھا۔ دوسری طرف ترکی میں یہودی دماغ اور سرمایہ مغربی سیاست کاروں کی مدد سے ترک قوم پرستی کا فتنہ جنم دے کر تعصب کے اس شجر خبیثہ کو ایک تناور و مضبوط درخت بنا چکے تھے۔ جبکہ ترکی میں ترکوں کے ساتھ عرب، کُرد اور کئی نسلوں کے مسلمان آباد تھے۔ جنگ عظیم اول 1914ء میں نفرتیں اپنا رنگ دکھا گئیں، مسلمان ہو کر ''ترک'' اور ''عرب'' ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔

اعلان بالفور:

1914ء میں جرمنی میں یہودی ایسی ہی پوزیشن میں تھے، جس ''Super Power'' کے گھمنڈ میں آج کل امریکہ مبتلا ہے۔ انہوں نے قیصر ولیم جرمنی کے ساتھ بھی سلطان عبدالحمید کا سا ڈرامہ رچانا چاہا، جرمنی اور ترکی کے حلیف ہوتے ہوئے انہوں نے قیصر ولیم جرمنی کو نا قابل اعتماد سمجھا۔ آخر کار ایک یہودی ڈاکٹر وائز مین نے برطانیہ اور فرانس کو مالی، علمی اور دفاعی امداد کے بدلے 1917ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور سے یہ پروانہ حاصل کر لیا، جو ''اعلان بالفور'' کے نام سے شہرت پا گیا۔ یہ برطانیہ کی بد دیانتی کا شاہکار ہے، کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہا تھا کہ ہم آپ کے لیے آزاد اور خود مختار ریاست بنائیں گے، جبکہ دوسری طرف حکومت برطانیہ ہی تحریری طور پر یقین دلا رہا ہے کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنائیں گے۔ بے ایمانی کا یہ کلنک برطانیہ (U.K.) تا قیامت اپنے ماتھے سے نہیں دھو سکتا۔

مقام فکر ہے کہ انگریزوں نے یہ بد دیانتی کیوں کی؟! کیا ''فلسطین'' بے آب و گیاہ اور ویران زمین تھی، جہاں یہودی آباد کیے جانے لگے؟ جبکہ عربوں کی رہائش تو پچھلے 2,500 سال سے فلسطین میں ہے! ''اعلان بالفور'' کے وقت یہودیوں کی تعداد تو فلسطین میں 5% بھی نہ تھی۔

بالفور کے شرمناک الفاظ اور ''League Of Nations'' کا کردار:

نام نہاد ''لارڈ'' بالفور کے شرمناک الفاظ یہ ہیں: ''ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ صہیونیت ہمارے لیے ان 7,00,000 عربوں کی خواہشات اور امنگوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، جو اس قدیم سرزمین میں آباد ہیں''۔

(جاری ہے)